بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

”اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا“ [القمر: ۲۲]

دعوۃ القرآن

تفسیر

سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ الانعام

محمد حنیف

مسجد توحید، توحید روڈ، کیماڑی۔ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

[الفرقان: ۳۰]

"اور رسول کہے گا اے میرے رب! میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ ہی دیا تھا"

......وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ......

"...... اور قرآن دلیل ہے تمہارے لیے یا تم پر......"

{مسلم: کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء}

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ

" بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو سربلندی عطا فرماتا ہے اور دوسروں کو اس کے ذریعے پستی میں ڈال دیتا ہے"۔ {مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن۔۔}

فہرست

نمبر شمار	نام سورہ	صفحہ نمبر
۱		
۲		
۳		
۴		
۵		
۶		

نمبر شمار	نام پارہ	صفحہ نمبر
۱		
۲		
۳		
۴		
۵		
۶		
۷		
۸		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بنایا اور اپنی قدرت کاملہ سے اس کے نظام کو مخلوق اور بالخصوص انسان کی ضروریات کے عین مطابق بنا دیا۔ انسان کو یہ شرف عطا کیا کہ علم، عقل و دانش اور اختیار و آزادی کے ساتھ اس کو خلیفۃ الارض کی حیثیت سے دنیا میں بھیجا، اور اس سے صرف ایک مطالبہ کیا کہ وہ صرف اور صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرے کسی اور کی نہیں۔ اسی میں اس کا امتحان رکھا اور اس میں کامیابی ہی پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ٹھہرایا۔ اپنے اس امتیازی وصف کے لحاظ سے انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فہم و شعور کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کو پہچانے، اس کی عظمت و قدرت اور بے شمار نعمتوں کا اعتراف و احساس کرتے ہوئے پوری طرح سوچ سمجھ کر دل و جان سے اس کی اطاعت و عبادت کا حق ادا کرے اور اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ہو۔ اپنے رب اور حقیقی مالک ہی کو اپنا خالق و رازق اور منعم، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اس ایک ہی ہستی سے انتہائی والہانہ محبت و عقیدت اور توکل کا ایسا تعلق رکھے جو کسی اور سے نہ ہو۔ یہی کتاب اللہ کی ہدایت اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا لب لباب رہا ہے۔

اب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو بندگی کے ان ہی اوصاف کا حامل بنایا ہے جیسا کہ سورۂ اعراف [آیت: ۱۷۲] سے ثابت ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اس بات کی یاد دہانی بھی کرائی جاتی رہی ہے۔ آدم علیہ السلام کی پہلی نسل ان ہی اوصاف کی حامل تھی، ور وہ ایک امت مسلمہ کی حیثیت سے زمین پر پھیل رہی تھی۔ لیکن انسان کے امتحانی مقصد کے تحت شیطان کو بھی زمین پر کچھ چھوٹ دی گئی، وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، چنانچہ شیاطین الانس کو اپنے ساتھ ملا کر لوگوں میں اختلافات اٹھائے تفرقہ پردازی کے جراثیم پھیلا کر امت مسلمہ کو گروہوں اور فرقوں میں بانٹ دیا اور ان کے عقائد کو شرک سے آلودہ کر دیا۔ اس احسان فراموش انسان کی یہ بد نصیبی ہے کہ کتاب ہدایت سے منہ موڑ کر بڑی آسانی سے گمراہی اختیار کر لیتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو بھلا کر تقلید اعمیٰ اور اکابر پرستی کے مرض میں مبتلا ہو کر کفر اور شرک کی راہ اپنا لیتا ہے اور پھر اس پر قہر الٰہی بھڑک اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل و کرم ہے کہ زوال پذیر گروہ انسان کو شیطان کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جاتا رہا۔ قرآن بتاتا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو الٰہ واحد کی بندگی کی تعلیم دی، ان کو بھولی ہوئی بات یاد دلائی، پیغام ربانی سنایا کہ تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی کا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو

شریک نہ کرو،اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ہی زندگی گزارو۔ پھر تمہارا مالک تم سے راضی ہوگا،اس کی رحمتیں اور برکتیں تمہارے ساتھ ہوں گی،وہ تمہارے مال واولاد اور طاقت و قوت میں اضافہ کردے گا۔اگر اس کی ہدایت پر عمل پیرا رہو گے تو تمہارے سر پر حکمرانی کا تاج رکھ دے گا اور آخرت میں ابدی کامیابی سے نواز دے گا،نعمت بھری جنتوں کا حق دار ٹھہرادے گا۔لیکن اگر تم نے اس کی نازل کردہ ہدایت سے منہ موڑا،اس کی مخلوق کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا،اس کے بندوں کو داتا، دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا، سرکار دو عالم، سرور کائنات، مختار کل وغیرہ جیسے القاب دیے،ان کے آستانوں پر سجدہ ریزی کی،ان کے نام کی نذرو نیاز کی اور ان کو مدد کے لیے پکارا تو یاد رکھو کہ اس دنیا میں بھی اس کا عذاب آئے گا اور آخرت میں ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے۔اس دعوت حق پر ایمان لانے والے گمراہی سے نکل کر ہدایت کے راستے پر آئے، کتاب اللہ کی روشنی میں ان کے اخلاق اور سیرت و کردار کو سنوارا گیا۔یہاں تک کہ وہ قوم تیار ہوئی جس کے ساتھ اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور اس کو خلافتِ ارضی کے منصب پر فائز کیا گیا۔لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ قوم پھر بگاڑ و زوال کی راہ پر چل پڑی الغرض،انسانی تاریخ عروج و زوال اور اصلاح و بگاڑ کے واقعات ہی سے مرکب ہے اور قرآن نے اس کا اجمالی جائزہ پیش کر کے درس عبرت کے طور پر یہ جوہری بات بیان کر دی:

”اگر یہ بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم نے اُن پر آسمان و زمین سے خیر و برکت کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلا دیا، تو ان کے اعمال کی پاداش میں ہم نے ان کو پکڑ لیا“۔[سورۃ الاعراف: ۹۶]

یہ امر واقعہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر ایمان لانے والے اور ان پر نازل شدہ کتب سے فیض یاب ہونے والے ہی ایمان و تقویٰ کے معیار پر صحیح معنوں میں پورے اترے اور اللہ کی رحمتوں کے حق دار اور منصب استخلاف کے اہل ثابت ہوئے۔لیکن تاریخِ انسانی کا یہ المیہ ہے کہ ہدایت واصلاح کے بعد جلد ہی بگاڑ کا دور آجاتا ہے اور کتاب اللہ کی قابل قدر ہدایت جو انسان کے لیے دنیا اور آخرت کی فلاح و کامیابی کی ضامن ہے،وہ اس سے منہ موڑ کر خود کو گروہوں اور مسلکوں کے حوالے کر دیتا ہے جن کے اکابرین اس کا مال بھی لوٹتے ہیں اور اس کے ایمان سے کھیلتے ہیں! افسوس کہ انسانی تاریخ کے اس المناک پہلو کا انتہائی اندوہناک نمونہ آج یہ کلمہ گو امت پیش کر رہی ہے۔توحید و رسالت کی اقراری،ایمان کی دعویدار یہ حامل قرآن امت ”امت واحدہ“ ہونے کے بجائے بے شمار فرقوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے،ایمان خالص کے ساتھ سنت رسول ﷺ کی متبع ہونے کے بجائے شرک، بدعات اور رسومات ہی کو دین بنا بیٹھی ہے۔مردہ پرستی، تعویذ گنڈے اور توہم پرستی کے عقائد ان کے ایمان کا جزو بن گئے ہیں۔نام نہاد اکابرین کے فتووں اور خود ساختہ بزرگوں کے اقوال اور ملفوظات کے مقابلے میں قرآن و صحیح احادیث سے بے رغبتی،بے اعتنائی بلکہ کسی قدر بیزاری کا انداز اختیار کر لیا گیا ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ امت کی بڑی تعداد تو صوم اور صلوٰۃ اور دیگر ارکان اسلام پر عمل پیرا نظر آتی ہے،قرآن کی تلاوت بھی ہوتی

ہے، قرآن کے ترجموں اور تفاسیر سے دکانیں اور کتب خانے بھرے ہوئے ہیں اور تراجم اور تفاسیر کا مطالعہ بھی ہو رہا ہے، ان سب کے باوجود صورت حال بگڑتی ہی جارہی ہے، فرقوں اور مسلکوں سے وابستگی میں شدت آرہی ہے، ایمان و عمل میں بگاڑ دن بدن بڑھتا ہی جارہا ہے۔ ایک غور کرنے والے کے لیے یہ بات بھی باعث حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایمان والوں سے عزت و سرفرازی ہی کا وعدہ فرمایا تھا، پھر آج یہ پستی اور بدحالی کیوں ہے ؟ کیا یہ وہی انقلابی کتاب نہیں جس نے اس پست ترین قوم کی کایا پلٹ دی تھی اور جس کے بارے میں زبان نبوت سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے :

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ {مسلم}

" بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو سربلندی عطا فرماتا ہے اور دوسروں کو اس کے ذریعے پستی میں ڈال دیتا ہے "

جن ہوش مندوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہا اور اس سے وابستہ ہو کر ان کی پیروی و اطاعت کا حق ادا کیا، اللہ نے انہیں دنیا میں بھی آبرومند بنایا، وہ کمزور تھے اللہ نے ان کو طاقت بخشی، وہ محکوم تھے اللہ نے انہیں قوموں کا حاکم بنایا اور آخرت میں بھی ان کے لیے بیش بہا اجر کا وعدہ فرمایا۔ اور جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا، شیطان کے بہکاوے میں آئے اور اللہ کی مخلوق کو اس کی ذات وصفات اور حقوق و اختیارات میں شریک ٹھہرا کر اللہ کے قہر و غضب کو دعوت دی، اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کو ماننے کے بجائے آباو اجداد اور قوم کے بڑوں کے ایجاد کردہ طریقوں اور رسم و رواج ہی کی پیروی کرتے رہے ان کو اللہ نے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی سے دوچار کیا اور آخرت میں بھی ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں حالات کا تجزیہ کرنے والا بہر حال اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ تو بالکل سچا ہے لیکن وہ وعدہ شرک سے پاک خالص ایمان کے ساتھ مشروط ہے [النور:۵۵]۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی دعوت نے جاہلیت میں مبتلا اس عرب قوم کی زندگی میں جو عظیم الشان تبدیلی پیدا کر دی تھی اور ان کے معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ بنا دیا تھا وہ بھی محض اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور ایمان کا اقرار کرنے کے بعد اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا، کتاب اللہ کی تعلیمات کو انہوں نے پورے شعور کے ساتھ اپنایا اور ان کی زندگیاں نبی ﷺ کی سنت کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ پھر ان کا سر اللہ کے سوا کسی اور کے آگے نہ جھکا، تو اللہ نے ان سے کیا ہوا وعدۂ استخلاف پورا کیا، ایمان کی انقلابی دعوت نہ صرف پورے عرب بلکہ آباد دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا گئی اور ایک طویل عرصہ تک یہی صورت حال رہی۔ پھر جب شیطان کے بہکاوے میں آکر اس امت کے افراد قرآنی تعلیمات سے دور ہو گئے، علماء و مشائخ دین داری کے روپ میں دنیادار بن گئے، قرآن و سنت کی جگہ خود ساختہ بزرگوں کے ملفوظات کو رائج کر دیا گیا اور توحید کو شرک سے اور سنت کو بدعت سے بدل

دیا گیا، تو بالآخر یہ امت بگاڑ کا شکار ہو کر اللہ کے عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ آج اس کلمہ گو امت کی حالت زار ہمارے سامنے ہے، جو کل دنیا کے حاکم بنائے گئے تھے وہ آج ساری دنیا کے محکوم بنے ہوئے ہیں، ہر سو ان پر ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہے اور ہر آن اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اس امت کی یہ زبوں حالی اللہ کے فرمان کے مطابق ایمان میں شرک کی ملاوٹ ہی کی وجہ سے ہے، ان کے علماء و مشائخ نے اپنے چند روزہ مفادات کی خاطر قرآن کی عریاں اور بے لاگ دعوت پر کتمان کے پردے ڈال دیئے۔ جو کتاب هُدًى لِّلنَّاسِ (لوگوں کے لیے ہدایت) بنا کر نازل کی گئی تھی اس سے انہیں دور رکھنے کے لیے نت نئے انداز اپنائے گئے، کبھی کہا گیا کہ قرآن صرف علماء کے سمجھنے کے لیے ہے، عام لوگ اگر قرآن کو پڑھ کے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے! اور کبھی یہ کہا گیا کہ قرآن سمجھنے کے لیے پندرہ علوم ضروری ہیں جن کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ کتاب اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے نازل فرمائی ہے اور اس کو ہر طالب حق کے لیے آسان کر دیا ہے [القمر: ۲۲]۔ بہر حال، اب اگر اللہ کا کوئی بندہ ہمت کر کے آگے بڑھے اور کتاب اللہ کو سمجھنے کی کوشش کرے تو اسے قرآن کی اصل تعلیمات کے بجائے ضخیم جلدوں پر مشتمل ذخیرۂ تفسیر سے سابقہ پڑتا ہے جن میں قرآن کی اصل دعوت کے بجائے فقہی موشگافیوں اور نکتہ سنجیوں ہی کو نمایاں کر کے دکھایا گیا ہے۔ جھوٹی روایات اور باطل تاویلات کے ذریعے بہت سے ایسے عقائد و نظریات بھی تفاسیر میں داخل کر دیئے گئے ہیں جن کو قرآن جگہ جگہ رد کرتا ہے، مثلاً حیات و سماع فی القبر، عرض اعمال اور ایصال ثواب وغیرہ۔ پھر اس پر مزید ستم یہ کہ زبان ایسی مشکل کہ عوام الناس اس کو سمجھ ہی نہ سکیں جب تک کہ وہ فن دینداری کے ماہر نہ ہوں۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان تفاسیر اور شروحات نے قرآن و سنت کی خوب خدمت کی ہے، تو یہ محض مغالطہ آرائی ہے جس کا بیّن ثبوت اس امت کا بگاڑ اور گمراہی ہے۔ دراصل، یہ تفاسیر مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے نکتہ ہائے نظر کو تو پر زور انداز میں پیش کرتی ہیں لیکن ان میں اس اصل دعوت کا فقدان ہے جس نے ڈیڑھ ہزار سال قبل ایمان لانے والوں کی فکر و نظر میں انقلاب برپا کر کے ان کو منصب جہاں بانی کا اہل بنا دیا تھا! فی الحقیقت ان مفسرین نے تو اصلاح احوال کے بجائے امت کو کتاب اللہ کی ہدایت سے محروم کر کے ان کے عقائد بگاڑنے ہی میں مؤثر کردار ادا کیا ہے، لہٰذا ایسی تفاسیر سے تو بہتر تھا کہ قرآن و حدیث کو ان کے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جاتا۔

بہر حال، آج اس گمراہی میں مبتلا امت کی اصلاح اسی طرح ممکن ہے کہ کتاب اللہ کی تعلیمات کو پوری طرح اپنایا جائے، عقائد بھی اس کے مطابق ہوں اور زندگی کے دیگر معاملات میں بھی اسی سے رہنمائی حاصل کی جائے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو جو کہ قرآن کی عملی تفسیر تھی اپنے لیے نمونہ بنایا جائے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ قرآن کی تفسیر صحیح احادیث کی روشنی میں مرتب کی جائے، قرآن کی بے لاگ دعوت پیش کی جائے

تاکہ لوگ مسلکی تفسیروں سے بچ کر قرآن کی اصل دعوت سے روشناس ہو سکیں۔الحمدللہ، اللہ کی توفیق سے اس کام کا آغاز ہو گیا اور اللہ کے بھروسے پر قرآن کے آسان اور عام فہم ترجمے اور مختصر تفسیر پر مبنی "**دعوۃ القرآن**" کا پہلا حصہ جو سورۂ فاتحہ تا سورۂ انعام پر مشتمل ہے مکمل کر لیا گیا۔اس میں زیادہ تر قرآن کے دعوتی پہلو ہی کو پیش نظر رکھا گیا ہے، یعنی الٰہ واحد کی خالص بندگی پر زور دیا گیا ہے اور مشرکانہ عقائد کی ایک ایک قسم کا رد کیا گیا ہے، تاکہ انسانیت واسطوں اور وسیلوں کی مشرکانہ دیواریں گرا کر براہ راست اپنے رب سے بندگی کے تعلق کو استوار کرے کہ یہی اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی ہر کتاب کا بنیادی اور مرکزی نکتہ رہا ہے۔

آیات کی تشریح میں اس مسلّمہ اصولِ تفسیر کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو یا صحیح احادیث سے، چنانچہ ضعیف روایات سے اجتناب کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی بھی کتاب سمجھنے کے لیے غور و فکر ضروری ہے، اور قرآن تو بہت ہی زیادہ تدّبر و تفکر پر زور دیتا ہے۔دعوۃ القرآن کا مطالعہ کرنے والے بھی پوری طرح غور و فکر سے کام لیں تاکہ یہ دعوت قلب و ذہن میں اتر جائے اور اصلاح احوال ممکن ہو سکے۔تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود انسانی کاوش میں غلطی اور سہو کا امکان رہتا ہے۔مطالعہ کرنے والوں کے سامنے اگر کوئی قابلِ اصلاح بات آئے تو ضرور مطلع کریں ادارہ ممنون ہو گا اور اللہ تعالیٰ اجر سے نوازے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب اللہ کو پڑھنے اس پر غور و فکر کرنے اور پوری طرح عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

شعبہ دعوۃ القرآن

توحید ٹرسٹ، کیماڑی، کراچی

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوۡرَۃُ الۡفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ

ابتدائیہ:

سورۂ فاتحہ مکی سورہ ہے، یعنی ہجرت سے قبل مکی دور میں نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن مجید کی پہلی سورہ ہے، اس لحاظ سے اس کا نام سُوۡرَۃُ الۡفَاتِحَۃِ ہے۔ احادیث میں اس کو فاتحۃ الکتاب {بخاری: کتاب الاذان}،اُم القرآن {بخاری: کتاب التفسیر اور مسلم: کتاب الصلوٰۃ} بھی کہا گیا ہے۔اس سورہ میں کل سات آیات ہیں، سورۂ حجر آیت نمبر ٨٧ میں مذکور سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ یعنی بار بار پڑھی جانے والی سات آیات سے یہی آیات مراد ہیں۔اس سورہ کے دو حصے ہیں۔پہلے حصے میں رب ذوالجلال کی حمد و ثنا، عظمت و کبریائی اور روز قیامت اس کے مالک و مختار ہونے کا اعتراف و اقرار ہے تو دوسرے حصے میں ایک باشعور اور منیب بندے کی اپنے آقا اور مالک سے بندگی کے اظہار و اقرار کے بعد عاجزانہ دعا ہے، اور دعا بھی ایسی جامع جو دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔اپنے مفہوم کے لحاظ سے یہ قرآن کی مکمل ترین دعا ہے۔اللہ کے یہاں اس سورہ کا کیا مقام ہے اس کا اندازہ اس حدیث قدسی سے لگایا جاسکتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَسَمۡتُ الصَّلٰوۃَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ عَبۡدِیۡ نِصۡفَیۡنِ، فَنِصۡفُھَا لِیۡ وَ نِصۡفُھَا لِعَبۡدِیۡ {مسلم: کتاب الصلوٰۃ}

"میں نے صلاۃ یعنی سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کردیا ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ مانگے گا۔ پس جب بندہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "میرے بندے نے میری تعریف کی" اور جب وہ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرے بندے نے میری ثناء کی"۔ اور جب وہ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی"۔ اور کبھی یہ فرمایا "میرے بندے نے اپنے معاملے کو میرے حوالے کردیا"۔ اور پھر جب وہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ مانگے گا"۔ اور پھر جب وہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ مانگے گا" {مسلم: کتاب الصلوٰۃ}۔

اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو الصلاۃ کہا گیا ہے اس طرح اس سورہ کا صلوٰۃ کے ساتھ خصوصی تعلق ثابت ہوتا ہے۔اس سورہ کو صلوٰۃ کی ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انفرادی صلوٰۃ میں ہر فرد پر اور باجماعت صلوٰۃ میں امام پر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت ضروری ہے اور اس کے بغیر صلوٰۃ کو خداج (ناقص یا نامکمل) کہا گیا ہے{مسلم: کتاب الصلوٰۃ}۔

یہاں اس بات کی نشاندہی ضروری ہے کہ مسلک پرستی کے شکار فرقوں نے اس مسئلے میں کچھ تشدد کی راہ اختیار کرکے باہمی اختلاف کی ایک بنیاد فراہم کرلی ہے۔ایک گروہ نے اس معاملے میں اپنے مسلک کے دفاع میں احادیث سے بے اعتنائی کی روش اپنائی ہے، تو دوسرے گروہ نے دوسری طرف انتہاپسندی کی روش اختیار کی ہے۔ قرآن و صحیح احادیث سے صرف نظر کرکے جہری قراءت کے دوران بھی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قراءت کو لازم قرار دے دیا ہے۔ان کے نزدیک اگر مقتدی جہری رکعات میں بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں تو ان کی صلوٰۃ نہ ہوگی! حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن سننے والوں کو (جہری قراءت کے دوران) غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے[الاعراف:۲۰۴]۔اور مسلم کی ابو موسیٰ الاشعری ؓ کی روایت اور دیگر متعدد روایات میں بھی یہ بات کہی گئی ہے۔ویسے تو یہ حکم عام ہے لیکن صلوٰۃ کے لیے بدرجہ اولیٰ ہے۔ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن و حدیث کی واضح ہدایت کی روشنی میں اعتدال کی یہی راہ ہے کہ جہری رکعات میں مقتدی خاموشی سے قرأت سنیں اور آیات کے مفہوم پر غور کریں، البتہ سری رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ تلاوت کرلینا جائز ہے، اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے حکم کے مطابق صحابۂ کرام ؓ کا اسی پر عمل رہا ہے، جیسا کہ سنن نسائی، ابن ماجہ اور مؤطاء وغیرہ کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعَ اٰيَاتٍ

سورۂ فاتحہ مکی ہے اور اس میں سات آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱

تمام تعریف [1] اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے ﴿۱﴾

آیات کی تشریح:

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ رب ذوالجلال، خالق و مالکِ کائنات لاشریک ہے اور اس نے ہمیں اپنا نام ''اَللّٰہُ'' بتایا ہے جس میں اُلوہیت و ربوبیت کی عظیم شان جھلکتی ہے۔ وہ اول و آخر ہے۔ اس کی ہستی کے ساتھ اس کا نام بھی قائم و دائم ہے، ہر زبان اور ہر آسمانی کتاب میں یہی نام رہا ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اسم علم یعنی کسی بھی خاص نام کا ترجمہ نہیں کیا جاتا لہٰذا اللہ کا اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا قطعاً غیر مناسب ہے، جس طرح کہ اردو اور فارسی میں اللہ کا ترجمہ ''خدا'' کیا جاتا ہے جو صحیح نہیں۔

اس سورہ کی امتیازی خصوصیت اللہ اور بندے کے قریبی تعلق کا اظہار ہے، چنانچہ جذبۂ اخلاص اور قلب وذہن کی یکسوئی کے لیے اور رب سے تقرب اور اس پر توکل کے احساس کو ہمہ وقت بیدار رکھنے کے لیے بندے کو یہ ادب سکھایا گیا کہ وہ اپنے ہر کام کی ابتداء اپنے رب کے نام سے ہی کرے۔ ہر کام مثلاً کھانا کھانا، پانی پینا، ذبح کرنا وغیرہ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ ایک طرف تو اللہ کی تائید و توفیق حاصل ہوگی اور معاملات میں خیر و برکت شامل رہے گی تو دوسری طرف شیطان لعین کی فتنہ سامانیوں سے اللہ کی محافظت رہے گی۔ سورۂ نحل [آیت نمبر: ۹۸] میں قرآن کی تلاوت سے پہلے تعوّذ کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر تلاوت شروع کی جائے۔

....

[1] اَلْحَمْدُ میں لام تعریف یعنی ال سے استغراق یعنی کلیت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جیسا کہ الانسان سے ساری انسانیت مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی ہوئے کہ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ تعریف کسی کے ذاتی حسن و کمال کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس کے احسان کی وجہ سے جذبۂ شکر گزاری کے تحت کی جاتی ہے۔ کائنات میں جو کچھ اپنے حسن و کمال کی وجہ سے قابلِ تعریف ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق اور عطا ہے اس لیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا مکمل معنی اور مفہوم اس طرح ہوگا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہ کلمۂ شکر ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا مسنون ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، کھانے پینے کے بعد ان ہی الفاظ کے ذریعے شکر ادا کیا جاتا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾	جو بڑا ہی مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے ٢ ﴿٢﴾
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣﴾	روز جزا کا مالک ہے ٣ ﴿٣﴾
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿٤﴾	(اے اللہ) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ٤ ﴿٤﴾

٢ اَلرَّحْمٰنِ اور اَلرَّحِيْمِ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ یہ تفضیل کے صیغے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے انتہائی اور دائمی رحم و کرم کا اظہار ہوتا ہے۔

٣ يَوْمِ الدِّيْنِ سے مراد روز جزا یا یوم حساب ہے، وہ عظیم دن جب کہ انسان کے ایمان و عمل کی بنیاد پر اس کی آخرت کا فیصلہ ہوگا۔ پھر یا تو وہ اللہ کے انعام کا مستحق جنتی ہوگا یا اس کے عذاب کا حق دار ٹھہرایا جائے گا، اللہ تعالیٰ یوم حساب کا اکیلا مالک و مختار ہوگا اور تمام جن وانس (نبی و غیر نبی) اس کی رحمت کے طلب گار اور فاسق وفاجر اس کے عذاب کے خوف سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔ اس دن فیصلے عدل وانصاف سے ہوں گے اور کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہ ہوگا۔ شرک سے پاک ایمان کے ساتھ عمل صالح کا اجر بڑھا چڑھا کر ملے گا جب کہ شرک پر مرنے والا ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ [المائدہ: ٧٢]

٤ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس اکیلے کی الوہیت و ربوبیت کے اعتراف و اقرار کے بعد اب اس سے والہانہ وابستگی کا اظہار ان الفاظ میں کیا جا رہا ہے " ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"۔ یہ بندے کا اپنے رب کے سامنے نہ صرف اظہار بندگی ہے بلکہ ایک طرح کا عہد بھی ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہوگی، خواہ وہ رکوع و سجود ہوں یا نذر و نیاز۔ اس کی مزید تائید و تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ انعام آیت نمبر ١٦٢، جس میں نبی ﷺ سے فرمایا گیا۔" آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میری صلوٰۃ، قربانی (گویا کہ ساری عبادات، جانی و مالی)، میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العٰلمین ہی کے لیے ہے"۔ دوسری بات یہ کہ ہر حاجت و مصیبت کے وقت اللہ ہی سے مدد کی درخواست کی جائے گی کسی اور سے نہیں، چاہے بیماری میں شفا کی طلب ہو، آفت سے چھٹکارا مطلوب ہو یا اولاد کی طلب ہو یا کوئی اور مقصد ہو۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہاں مفعول کو فعل پر مقدّم کرنے یعنی "اِیَّاكَ" جملے کے شروع میں لانے سے کلام میں انتہائی زور پیدا ہوا ہے، گویا اس طرز بیان نے شرک کی جڑ کاٹ دی اور غیر اللہ سے استعانت واستمداد (یعنی مدد چاہنے) کا مطلق سد باب کر دیا۔ اب اگر کوئی اللہ پر ایمان لانے اور یہ عہد کرنے کے بعد بھی غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز کرے یا اللہ کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لیے پکارے تو یہ اپنے مالک سے غداری کے مترادف

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾

(اے اللہ) ہمیں سیدھا راستہ دکھادے ﴿۵﴾

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۬

ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے انعام فرمایا ﴿۶﴾

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ࣖ﴿۷﴾ ع۱

نہ کہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا راستہ ۵ ﴿۷﴾

ہوگا، اَلۡعِیَاذُبِاللهِ! یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بعض مفسرین نے اپنے خود ساختہ مسلک کے تحت یہ تاویل کی ہے:

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سِوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندے کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر اس سے استعانت ظاہری کرلے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے"

(ترجمہ قرآن: حاشیہ سورۃ الفاتحہ، محمود الحسن وشبیر احمد عثمانی)

اور احمد رضا خان صاحب بریلوی کے نزدیک "مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے اور یہ استعانت بالغیر نہیں"

(کنزالایمان: حاشیہ سورۃ الفاتحہ، احمد رضا خان)

در حقیقت یہ آیت کے اصل مفہوم اور منشا میں صریح تحریف کے مترادف ہے اور ہدایت ربانی پر گمراہی کا پردہ ڈالنے کا انداز ہے۔ بلاشبہ یہ آیت کے معنی ومفہوم کے سراسر منافی ہے۔ مکہ کے مشرک خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کو فریاد رسی کے لیے آواز دیتے تھے اور لات ومنات کو مشکل کشائی کے لیے پکارتے تھے تو آج اس گمراہ موقف کے پیروکار کلمہ گو یا رسول مدد، یا علی مدد، یا غوث مدد، یا پیر دستگیر وغیرہ کی پکاریں لگاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان نام نہاد مفسرین اور علماء ومشائخ کے نزدیک جائز سہی لیکن فی الحقیقت یہ توحید باری تعالیٰ کا انکار اور اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو بھڑکانے کا مذموم انداز ہے، اَعَاذَنَا اللهُ! یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگنا شرک ہے نہ کہ ماتحت الاسباب۔ ماتحت الاسباب مدد چاہنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا عین فطرتِ انسانی ہے اور عالم اسباب کے نظام کا حصہ ہے اور اس کے لیے کسی کے مقبول بارگاہ الٰہی اور برگزیدہ ہونے کی شرط نہیں۔ باطل عقائد پھیلانے والے نام نہاد علماء اکثر ایسے شوشے چھوڑ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۵ آخری تین آیات میں قرآن کی وہ جامع دعا ہے جس میں بندہ اپنے رب سے صراط مستقیم کے لیے رہنمائی طلب کرتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ (اے اللہ) ہمیں سیدھا راستہ دکھادے (جو حقیقی منزل یعنی جنت تک پہنچائے)، وہ راستہ جو تیرے انعام پانے والے بندوں کا راستہ ہے اور اس راستے سے ہمیں بچا جو گمراہ لوگوں اور

ان کا راستہ ہے جن پر تیرا غضب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا انعام پانے والے بندے انبیاء، صدیقین، شہداء اور دیگر صالحین ہیں [النساء: ٦٩]۔ بلاشبہ یہ اللہ کے مخلص و منیب بندے کے دل کی گہرائی سے ابھرنے والی آرزو کا اظہار ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ سورہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان براہِ راست تعلق اور رب سے قربت کا موقع فراہم کرتی ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے واسطوں وسیلوں کی مشرکانہ دیواروں کو گرادیتی ہے۔ بندے کی دعا اس کا رب (جو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے) براہِ راست سنتا اور اس کا جواب عنایت فرمادیتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث قدسی سے واضح ہے، اور اس سورہ کا یہی مضمون ہے۔

بہر حال جو اللہ کا بندہ پورے شعور کے ساتھ ان الفاظ میں اپنے رب سے دعا و التجا کرے گا اس کے دل میں آخرت کی اس منزل کے حصول کی تڑپ ہو گی اور اس کا ان (انعام پانے والے) سچے اولیاء اللہ سے قلبی تعلق ہو گا، وہ بالضرور ان کے نقش قدم کی پیروی کو راہ نجات سمجھتے ہوئے اختیار کرے گا اور ان لوگوں سے مکمل اجتناب کرے گا جو اللہ کے غضب کے مستحق اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان آیات کا مصداق بنائے، آمین!

❁ ❁ ❁ ❁ ❁